eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

ڈاکٹر روبینہ کوثر
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ اسلامیہ کالج فار ویمن فیصل آباد
شمس العارفین
لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، رفاہ انٹر نیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد

Dr Robina Kausar
Assistant Professor, Dept. of Urdu, Govt. Islamia College for Women, Faisalabad
Shmsul Arfeen
Lecturer, Riphah International University, Faisalabad

”مٹی آدم کھاتی ہے“: محمد حمید شاہد کا تصور مرگ

“Mitti Adam Khati hy”: Muhammad Hameed Shahid’s Concept of Death

Abstract

"The man" is the major topic of Muhammad Hameed Shahid's novel "Matti Adam Khati hai". In this novel Hameed Shahid has described man's sadness, melancholy, helplessness, susceptibleness, conspiracies and poverty prevails in the whole novel. There is not even a single character in the novel, who is not stung by heartsickness. Feudal class has always socially exploited the poor class. The whole philosophy of the novel has been given in the novel "Admi k naam" dedication. The love of the man towards his land is as old as his history. Because man is created out of dust and vanishes into dust. For the love of his land, he becomes cruel towards others and for personal benefits. He goes to do something illegitimate. Man is extremely selfish that does not refrain himself even from killing someone .

KeyWords: Death, Novel, Hameed Shahid, Symbolism, Society, Adam

کلیدی الفاظ: موت، ناول، حمید شاہد، علامتیت، سماج، آدم

محمد حمید شاہد کا ناول مٹی ”مٹی آدم کھاتی ہے“ ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا۔ ”مٹی آدم کھاتی ہے“ کا بنیادی موضوع انسان ہے۔ محمد حمید شاہد ناول کے آغاز میں لکھتے ہیں:

> ”اس کہانی کا موضوع انسان ہے اور اس کی محبتیں بھی کہانی لکھتے ہوئے میری نظر میں وہ انسان رہا ہے جو ”صلصال حمأ مسنون“ سے خلق ہوا اور جس کی نسل ”ماء مھین“ کی تلچھٹ سے چلی مگر مقدر کا ایسا دھنی نکلا کہ مسجود ٹھہرا۔ اب یہ الگ قصہ ہے کہ اسی حضرت انسان کو ابھی تک ڈھنگ سے چلنا نہیں آیا، جب بھی قدم اُٹھانا، مٹی پہ گرتا ہے، بار بار گرتا ہے اور منہ کے بل گرتا ہے۔“(۱)

حمید شاہد نے انسان کے دکھ، رنج والم، بے بسی ولاچاری، انسانی سازشیں طبقاتی استحصال، غربت وافلاس، رومان و قربانی جیسے موضوعات کو بڑے عمدہ طریقے سے ناول میں بیان کیا ہے۔ ناول میں کہانی کے مختلف ٹکڑے مختلف عنوانات کے تحت ملتے ہیں۔ جس کی وضاحت مدیر کی زبانی یہ بیان کی گئی ہے کہ اس کہانی کا مسودہ ۲۰۰۵ء کے زلزلے کے ملبے سے ملا تھا۔ یہ ایک مختلف طریقہ ہے کہانی بیان کرنے کا۔ دنیا میں ہونے والے سانحات سے ہمیشہ ادب کو بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ برصغیر میں ہونے والے مختلف واقعات جیسے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی، مشترکہ ہندوستان کی تقسیم، سقوطِ ڈھاکہ کا سانحہ ان سانحات کے نتیجہ میں اردو ادب میں کئی ناولوں کا اضافہ ہوا۔ ''مٹی آدم کھاتی ہے'' میں بھی سقوطِ ڈھاکہ کے سانحہ کو کہانی کا حصہ بنایا گیا۔ بعض اوقات حالات انسان کو اس دوراہے پر لے آتے ہیں جہاں اُسے نہ مذہب وملت کی پرواہ رہتی ہے اور نہ رشتوں کے تقدس کا خیال رہتا ہے۔ مٹی کی خاطر وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔ شمس الرحمٰن فاروقی ناول کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> ''یہ ناول اس لحاظ سے الگ ہے کہ بنگلہ دیش کی اصل سے نظر ملانے کی کوشش عشق ومحبت کی داستان اور ظلم وستم کے ذکر کو اکٹھا کر دیتی ہے۔ اس حمید شاہد کی بڑی کامرنی سمجھنا چاہیے کہ ایسے عنوان کو بلا جھجک اپنی تحریر میں لے آتے ہیں۔''(۲)

ناول کی کہانی کا آغاز ان مختلف عنوانات کے ٹکڑوں سے ہوتا ہے جو مدیر کو ملتے ہیں۔ کہانی میں دو راوی ہیں ایک وہ جو کہانی لکھتا ہے اور دوسرا وہ جس کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ پہلے راوی کا باپ خان جی کی حویلی میں ملازم ہے۔ اس کا کام گھوڑوں اور ان کے اصطبل کی صفائی ستھرائی کرنا ہے۔ خان جی نے اس ملازم کی زمین کو بھی ضبط کر لیا ہے اور اسے رہنے کے لیے ایک جھونپڑا دے رکھا ہے۔ خان صاحب اپنی بیٹی اور بیوی کو شہر بھیج دیتے ہیں کہ بیٹی تعلیم حاصل کر سکے۔ اس ملازم کا بیٹا جو کہ کہانی کا پہلا راوی ہے ان کے ساتھ چھوٹے کام کی حیثیت سے جاتا ہے تاکہ ان کی خدمت کر سکے لیکن اُسے پڑھنے لکھنے کا شوق ہے۔ وہاں وہ مختلف کہانیوں کو پڑھنے کے بعد اس کہانی کے لکھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ خاں جی کی بیٹی شہر میں ایک لڑکے کے عشق میں گھر سے بھاگ جاتی ہے۔ خان جی اُس لڑکے کو ایک حادثے میں ختم کروا دیتے ہیں اور بیٹی اور بیوی کو واپس لے آتے ہیں۔ خان جی اپنی بیٹی کی شادی اپنے بھتیجے جو فوج میں کیپٹن ہے اس کے ساتھ زبردستی شادی کر دیتے ہیں۔ اس سے پہلے اپنے بھائی (کیپٹن کے باپ) کو ایک حادثے میں ختم کروا دیتے ہیں تاکہ جائیداد کا حصہ نہ دینا پڑے۔ بھتیجے کو گھر داماد بنا لیتے ہیں۔ زبردستی کی اس شادی سے دونوں ناخوش ہیں۔ کیپٹن خان جی کو اپنے باپ کا قاتل سمجھتا ہے۔ کہانی کا دوسرا راوی کیپٹن سلیم ہے۔ جو مشرقی پاکستان میں تعینات ہے۔ وہاں ایک بنگالی فوجی افسر کی بیوی کی محبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ منیبہ بنگالی حسن کا شہکار ہے۔ اس کے باپ کو مکتی باہنی کے کارکن قتل کر دیتے ہیں وہ اس قتل کا ذمہ دار اپنے شوہر کو تصور کرتے ہوئے اس سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے۔ بنگالی افسروں کے ساتھ میجر سلیم کو فرار ہونے میں مدد دیتی ہے اور اپنا زیور تک ان کے لیے قربان کر دیتی ہے۔ محبت و قربانی کے یہ لمحے مختصر ہونے کے باوجود قاری پر یادگار تاثر چھوڑتے ہیں۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان لکھتے ہیں:

> ''منیبہ جو بنگالی عورت ہوتے ہوئے بھی کیپٹن سلیم اللہ خان کے ساتھ اپنے شوہر کو چھوڑ کر پاکستان آنے کو تیار ہے۔ یہ ناول کا دلچسپ پہلو ہے۔ یہ حقیقی بھی ہے اور دلآویز بھی۔ عورت کے دل کو بہت کم لوگ سمجھ پائے ہیں۔ کسی قوم سے نفرت الگ لیکن عورت کی اسی قوم کے ایک فرد سے محبت الگ۔ اسے نکال دیں تو جنگ اور امن دونوں فضاؤں سے حسن رخصت ہو جائے گا۔''(۳)

کیپٹن سلیم کو فرار کروانے میں منیبہ نامعلوم گولی کا نشانہ بن کر موت کے منہ میں چلی جاتی ہے۔ اسے اپنوں کی بے حسی کہیں یا غیروں کی قربانی اس سانحے کے بعد کیپٹن سلیم کی ذہنی حالت خراب ہو جاتی ہے۔ پہلا راوی خان جی کی پہلی بیوی جسے وہ غریب ہونے کی بنا پر اپنے باپ کہنے پر طلاق دے چکے ہیں۔ اس کے طلاق ہونے کے سات ماہ بعد پیدا ہوتا ہے جس کی شکل ہو بہو خان جی سے ملتی ہے۔ خان جی کے والد بڑے خان جی اس کی شادی اپنے ایک ملازم سے کروا دیتے ہیں جو حویلی میں کام کرتا ہے۔ خان جی پہلے راوی کو اپنے داماد کی مخبری کرنے کے لیے حویلی میں لے آتے ہیں اور بیٹی اور بیوی کے سامنے اپنا پہلا نکاح نامہ دکھا کر اُسے اپنا بیٹا بتاتے ہیں لیکن حویلی کے باہر یہ بات کسی کو نہیں معلوم، آخر پہ وہ شہر سے ایک بیوی اور چھ، سات سال کا بچہ لے آتے ہیں اور کہتے ہیں یہ میرا وارث ہے۔ کیپٹن سلیم خود سے باتیں کرتا رہتا ہے اور زمین کو کھرچ کھرچ کر ہاتھ کی مٹھیوں میں لے کر کہتا ہے۔ یہ مٹی تو میری ہے۔ مدیر نے آخر پر لکھا تھا کہ کہانی کے آخری صفحات مٹے ہوئے ہیں۔ چند صفحوں پر چند الفاظ اور کچھ لکیریں کھینچی گئی ہیں۔ راوی اس کے بعد کیا کہنا چاہتا تھا کسی کو کچھ نہیں پتا۔ کہانی مکمل ہو کر بھی مکمل نہیں ہوتی بظاہر سادہ سی کہانی ہو کر بھی قاری کے لیے کئی سوالات چھوڑ جاتی ہے۔

پورے ناول پہ دکھ اور غم کی فضا چھائی ہوئی ہے۔ ناول کا کوئی کردار ایسا نہیں جو دکھوں کا ڈسا ہوا نہ ہو۔ خان جی کی بیٹی زرجان جسے بظاہر زندگی کی ہر نعمت حاصل ہے۔ اکلوتی ہے اور خان جی کی تمام جائیداد کی مالک، لیکن محبت میں ناکام ہونے کی بنا پر غیر مطمئن اور بدنصیب ہے۔ خان جی اس کے محبوب کو قتل کروا کر اس کی شادی اپنے بھتیجے سے کروا دیتے ہیں۔ زرجان اس سے خوش نہیں ہوتی اور نفسیاتی مریضہ بن چکی ہے۔ کیپٹن سلیم اُسے آٹے کی عورت کہتا ہے جو بظاہر بھوک تو مٹا سکتی ہے لیکن روح کی تھکن نہیں اتار سکتی۔ وہ زرجان کا موازنہ اپنی بنگالی محبوبہ سے کرتا ہے۔

پہلے راوی کی والدہ شدید دکھ میں مبتلا دکھائی دیتی ہے۔ وہ خان جی کی سابقہ بیوی ہے اور ان کے بیٹے کی ماں، جو اُس کے ہاں طلاق کے بعد پیدا ہوتا ہے لیکن لوگ اُسے بچے کی شکل خان جی سے ملنے کی بنا پر طعنے دیتے ہیں۔ وہ اس ذلت کو برداشت نہیں کر پاتی اور ہر وقت اذیت و کرب میں مبتلا رہتی ہے۔ پہلے راوی کا باپ خان جی کے ظلم و ستم برداشت کرتے کرتے اپنی جان دے دیتا ہے۔ ناول کے اس حصے میں جاگیر دار طبقے کا غریب پر ظلم و معاشرتی استحصال دکھایا گیا ہے کہ کس طرح جاگیر دار مزدور کے حصے کو ضبط کر کے اس کی عزت نفس کو پامال کرتا ہے۔ ناول کا انتساب ہی ناول کے فلسفے کو بیان کرنے کے لیے کافی ہے:

”آدمی کے نام
جو زمین کی محبت میں دیوانہ ہو گیا ہے“(۴)

زمین سے انسان کی محبت کی داستان پرانی ہے اور یہ اتنی پرانی ہے جتنی انسان کی اپنی تاریخ کیونکہ انسان کی تخلیق بھی مٹی سے ہے اور اس کا اختتام میں مٹی میں جا کر ہوتا ہے۔ غفور احمد ”نئی صدی۔ نئے ناول“ میں لکھتے ہیں:

> ”مٹی سے انسان کی محبت کی بنیادی وجہ شاید یہ بھی ہے کہ اس کا تخلیقی جوہر اسی سے کشید کیا گیا ہے۔ بچہ ہوتا ہے تو مٹی سے کھیلنا پسند کرتا ہے۔ شعور کے دنوں میں یہ محبت حرص و ہوس کی پناہ میں چلی جاتی ہے اور انسان چاہتا ہے کہ ساری مٹی (دنیا) اسی کی ملکیت ہو جائے، تاوقتیکہ اسی مٹی کی چادر اوڑھ کر وہ سو جاتا ہے۔“(۵)

"مٹی آدم کھاتی ہے" اس روئے زمین پر بسنے والے انسان کی ہی داستان سناتا ہے جو صدیوں سے زمین کی محبت میں مبتلا ہے۔ اس زمین کی خاطر وہ دوسروں کا حق ضبط کرتا ہے۔ معاشرتی استحصال کرتا ہے۔ بھائی بھائی کا قتل کرتا ہے۔ امیر غریب کا معاشی استحصال کرتا ہے اور غریب امیر کے ظلم و ستم کی چکی میں پستا چلا جاتا ہے۔ حمید شاہد لکھتے ہیں:

"ترجمہ: انسان کے خمیر میں جیسا کہ ہم عام طور پر خیال کرتے ہیں مٹی کے عنصر کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے جیسے انسان بوڑھا ہوتا جاتا ہے، اس کے جسم کی مٹی، علاقے کی ثقافت کا اہم حصہ بن جاتی ہے۔ جہاں وہ رہتا ہے۔"(۶)

دوسروں کے حقوق کی پامالی، مالی استحصال کرنا، معاملات میں ناانصافی برتنا ہمارے جاگیر دار طبقے کی بہت پرانی عادت ہے۔ غریب کا مال ضبط کرنا جاگیر دار اپنا حق سمجھتا ہے۔ راوی کے باپ کے ساتھ بھی تقدیر یہی کھیل کھیلتی ہے۔ وہ خان جی کے اصطبل میں گھوڑوں کی لید صاف کرتے کرتے زندگی کی بازی ہار جاتا ہے:

"وہ اس بات پر یقین رکھتا رہا کہ ایک روز وہ معمول کی طرح یوں ہی اپنے بدن کو خوب تھکا کر سوئے گا اور موت سے ہم کنار ہو جائے گا اور ہوا بھی یہی۔"(۷)

جینا اور دکھ سہنا دراصل ایک ہی شے کے دو نام ہیں۔ یا اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جینا اور دکھ سہنا ایک ہی بات ہے۔ دکھوں اور انسانی زندگی کا ساتھ ازل سے ہے۔ انسان اگر چاہے بھی تو دکھوں سے نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ شمس الرحمٰن لکھتے ہیں:

"ایک فرد اپنے باپ سے جدا ہوتا ہے۔ اس کے دشمن نہیں اپنے ایسا کرتے ہیں۔ ایک خاتون ماری جاتی ہے کیونکہ وہ ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔ غموں کی چھایا تکلیف دہ اور غم زدہ، طاقتور اور کمزور سب کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے۔"(۸)

ظلم و تشدد اور جبر واستحصال کے مثالیں ناول میں عام ہیں۔ خان جی دولت کی خاطر اپنے سگے بھائی تک کو قتل کروادیتے ہیں اور اپنی اکلوتی بیٹی کی خوشیوں کا گلہ گھونٹ دیتے ہیں۔ اس کے محبوب کو قتل کروا کے اُسے حویلی میں بند کروادیتے ہیں۔ محبت میں ناکامی کا دکھ زرجان کو جیتے جی مار دیتا ہے۔ وہ اعصابی مریضہ بن جاتی ہے۔ اس کی زبردستی شادی اپنے بھتیجے کیپٹن سلیم سے کروادیتے ہیں۔ انسان کی بدلتی ہوئی فطرت اور مطلب پرستی اسے ہر ناجائز کام کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ خان جی بھی اپنے ہر مفاد کی خاطر ہر ناجائز کام بھی کر گزرتے ہیں۔ پہلے راوی کی والدہ سے جوانی میں نکاح کے بعد طلاق دینا اور پھر موقع کی مناسبت سے اُسے اپنا بیٹا تسلیم کرنا ان کی خود غرضی کی انتہا ہے۔ خان جی پہلے راوی کو حویلی میں اپنے بیٹے کی حیثیت کے مطابق مقام دیتے ہیں اور پھر شہر سے ایک بیوی اور ایک بیٹا اور لے آتے ہیں جو ان کا جائز وارث ہے۔ پہلے راوی پر جب تمام حقیقت عیاں ہوتی ہے تو دکھ سے اس کا برا حال ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی حیثیت کا از سرِ نو تعین کرتا ہے:

"جب طوفان تھما تو میں نے ٹھنڈے دل سے اپنی حیثیت کا از سر نو تعین کرنا چاہا۔ میری آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا اور دل بھر آیا۔ اس رات میں بہت رویا تھا۔ اسی رات مدت بعد مجھے ماں یاد آئی تھی اور وہ باپ بھی جو ذلت اور بے بسی کی موت مر گیا تھا۔ ان دنوں میں منہ چھپا کر ایک طرف پڑا رہتا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے ان کا داماد ایک کونے میں گم سم پڑا رہتا تھا۔"(۹)

انسان کی سنگدلی اور بے حسی کی انتہا ہے۔ جب وہ ذاتی مفاد کی خاطر نہ انسانوں کی جان کی پرواہ کرتا ہے اور نہ دوسرے جانداروں کی، خان جی کا دل پسند گھوڑا سنہریا ہے لیکن جب وہ زخمی ہوتا ہے تو اُسے گولی مار دی جاتی ہے کہ جو ہمارے کام کا نہیں وہ کسی

کام کا نہیں۔ ناول میں سر زمین بنگلہ دیش میں اٹھنے والی تحریک مکتی باہنی کا ذکر بھی ملتا ہے۔ کیپٹن سلیم بنگلہ دیش جاتا ہے اور دیکھتا ہے وہاں کے مقامی باشندے پاکستان کی محبت میں مبتلا ہیں۔ اس کے دوست کی بیوی منیبہ سر زمین پاکستان کی حامی ہے لیکن اس کے ملک کے باشندے اس کی جان لے لیتے ہیں:

"یقین جانو یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اپنی سر زمین چھوڑنے کو تیار ہو جائے گی، محض اس کا اچھلتا ہوا وجود دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ جہاں سے پانی کے چھینٹے اوپر کو اُٹھے تھے وہاں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔"(۱۰)

ناول کے موضوعات میں تنوع ہے۔ کہیں انسان کی زندگی کے المیوں کا تذکرہ ہے تو کہیں سیاسی و سماجی بات، لگتا ہے جیسے انسان جبر و قدر کے ہاتھوں مجبور و لاچار ہے اور وہ کچھ بھی کر رہا ہے جو وہ کرنا نہیں چاہتا۔ زندگی کی جبریت اُسے بے بس و لاچار کر دیتی ہے اور انسان صدیوں سے جبر کی چکی میں پستا چلا آ رہا ہے۔ علی محمد فرشی لکھتے ہیں:

"حمید شاہد اس لحاظ سے خوش قسمت مصنف ہے کہ اس کا سلسلہ ادباء کے اس گروہ سے جا ملتا ہے جنہوں نے قیام پاکستان کے بعد جنم لیا۔ اور پاکستان کی علیحدگی کا واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اپنی زمین سے محبت اپنے دیس ٹوٹنے کا دکھ ان کی بہت سی تحریروں میں نئی معنی پیدا کر دیتا ہے۔" (۱۱)

ناول میں سیاسی موضوع سقوطِ ڈھاکہ پر مختلف واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ کیپٹن سلیم بنگلہ دیش سے واپس وطن لوٹتا ہے تو منیبہ کی موت کا دکھ اُسے نیم پاگل سا کر دیتا ہے۔ وہ مٹی کو کھرچتا رہتا ہے۔ جنون کے عالم میں وہ مختلف الفاظ کا اظہار کرتا ہے جو ناول کے بنیادی فلسفے کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔

"مٹی آدم کھاتی ہے" کا بنیادی موضوع انسان ہے اور انسان سے وابستہ محبتیں، وقت کے ساتھ ساتھ اس کی محبتوں کے معیار بدلتے چلے گئے۔ انسان کی ابتدا اگر مٹی سے ہے تو اختتام بھی مٹی ہی میں جا کے ہوتا ہے اور بات وہی بن جاتی ہے 'پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا' ۔ گو کیپٹن سلیم کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں لیکن نیم دیوانگی کے عالم میں بھی وہ یہ مٹی خان جی کو دینے کو تیار نہیں اور ان سے بھرپور نفرت جتاتے ہوئے ان الفاظ کی ادائیگی کرتا ہے۔ اس کے الفاظ اس کی اندرونی الجھنوں اور محرومیوں کو بیان کرتے ہیں۔ ڈاکٹر ابرار احمد ان الفاظ میں اس کی ذہنی کیفیت کو بیان کرتے ہیں:

"A brace intact officer turns schizophrenic when he gets deprived of love and in haunted by memories of defeat and desertion. In his incoherent thoughts, he remains fixed to the eternal truth of love and death."(12)

انسان کا دوسرے انسان کا معاشی استحصال، طبقاتی تقسیم، مٹی کی خاطر دوسرے کا حق ضبط کرنا اور قتل و غارت کرنا، زر، زن اور زمین کی خاطر جنگ و جدل کی داستان اتنی ہی پرانی ہے جتنی انسان کی تاریخ، ہابیل اور قابیل کے درمیان ہونے والی لڑائی اور دنیا میں پہلا قتل بھی زن کی خاطر ہوا۔ بہر حال موت برحق ہے اور مرناسب کو ہے چاہے کوئی کسی کے ہاتھوں قتل ہو یا طبعی موت مرے یا کسی حادثے کا شکار ہو جائے۔ آخر کار انجام موت ہے۔ موت کے متعلق حمید شاہد لکھتے ہیں:

"آسودگی سے مرنایوں جیسے اس کی ماں مری تھی اور تڑپ تڑپ کر مرنا، اس طرح جیسے میری ماں مر گئی تو کیا موت نے دونوں کو ایک جیسا نہیں کر دیا تھا۔ میرا باپ جو گھوڑوں کے اصطبل میں یخ زمین پر ڈُہرا ہو کر مر گیا تھا، کیا وہ اس کہانی والے شخص کے باپ کا سا نہیں ہو گیا تھا۔ جسے کچھ ہی عرصے کے بعد کسی نامعلوم گاڑی نے ایک ویران سڑک پر کچل دیا تھا۔ موت اس میں تمیز نہیں کر رہی تھی کہ کون خواب دیکھتا تھا اور کون خوابوں سے پرے مر رہا تھا۔"(۱۳)

موت کی مختلف حیثیتیں اور انداز ہیں۔ موت بظاہر جسم سے روح نکل جانے کا نام نہیں ہے۔ موت تو جذبوں، قدروں، وعدوں، ارادوں، خواہشوں، خوابوں کی بھی ہوتی ہے۔ جن سے انسان کو جیتے جاگتے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔ بظاہر موت انسانی ذہن وخیال اور جسم و حرکت کے رک جانے کا نام ہے۔ انسانی زندگی ریت کے ذروں کی مانند ہے جو ہاتھ کی مٹھی سے پھسل پھسل جارہی ہے۔ ''مٹی آدم کھاتی ہے'' میں موت کا فلسفہ سب سے نمایاں ہے جس کے گرد مصنف نے ساری کہانی کا تانابانا بنا ہے۔ کہانی کا آغاز جس حادثے سے ہوتا ہے اس کا مرکز و محور بھی موت ہے جو نہ جانے کتنوں کو ختم کر گئی۔ مختلف مذاہب کے اندر موت کے مختلف تصورات بیان ہوئے ہیں۔ مذہب چاہے اسلام ہو، ہندومت، بدھ مت، عیسائیت، یہودیت، پارسیت یا سکھ مت، موت کا فلسفہ ہر جگہ بیان ہوا ہے۔ تصور اسلام میں انسان کو موت پہ کوئی اختیار نہیں۔ موت برحق ہے اور ہر بوڑھے، مرد وعورت کو اس کا ذائقہ چکھنا ہے۔ عیسائیوں کے ہاں تصور ہے:

''پیدا ہونے اور مرنے کا وقت مقرر ہے۔''(۱۴)

''مٹی آدم کھاتی ہے'' میں بیان کیے گئے فلسفے کے ڈانڈے فلسفہ وجودیت میں بیان کیے گئے تصور موت کے مطابق ہیں۔

فلسفہ وجودیت میں موت کا تصور:

> ''ہستی کے علاوہ موت کا تصور بھی وجودیت میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ موت وجود میں ایک ایسی انفرادی اور موضوعی حقیقت ہے جو کسی بھی مصروفیت میں ضم نہیں ہو سکتی۔ کوئی شخص کسی اور کی موت نہیں مر سکتا۔ ہر شخص کو اپنی موت کا خود سامنا کرنا ہوتا ہے۔''(۱۵)

''مٹی آدم کھاتی ہے'' کے بہت سے کردار موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں جو جسمانی موت کے ہاتھوں زندہ رہ جاتے ہیں۔ وہ اخلاق اور وحانی موت کا سامنا کرتے ہیں۔ پہلے راوی کا باپ خان جی سے ذلت اٹھاتے اور ظلم وستم برداشت کرتے کرتے ایک دن مر جاتا ہے۔ پہلے راوی کی والدہ خان جی کی سابقہ بیوی ہے۔ لوگ اسے طعنے دے دے کر مار دیتے ہیں۔ پھر کیپٹن سلیم کی ماں کی موت اور باپ کا ایک حادثے میں مر جانا۔ بظاہر وہ ایک ایکسیڈنٹ میں مرتا ہے لیکن پس پردہ خان جی کی چال ہوتی ہے۔ اس کے بعد خان جی کے گھوڑے سنہریا کی موت، زرجان کے محبوب خرم کا قتل، منیبہ کی اپنے ہی دیس کے رہنے والوں کے ہاتھوں موت، گو ناول میں ہر طرف موت کا راج دکھائی دیتا ہے۔ ہائیڈیگر کہتا ہے:

> ''انسان جب پیدا ہوتا ہے تو موت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور جب تک زندہ رہتا ہے مسلسل موت سے ہم آہنگ رہتا ہے۔''(۱۶)

جسمانی موت کے علاوہ اخلاقی موت کی مثال خان جی کا کردار ہے جو دولت کی ہوس کی خاطر سگے بھائی تک کو قتل کروا دیتے ہیں۔ بیٹی کی خوشیاں چھین لیتے ہیں ان کے لیے صرف زر و زمین ہی کی حیثیت ہے۔ جذبوں کی موت زرجان کے جذبوں کی موت ہے جن کی وجہ سے وہ ذہنی مریضہ بن چکی ہے۔ اپنے شوہر کو کوئی خوشی نہیں دے سکتی۔ اس لیے وہ اسے آتے کی عورت کہتا ہے جو بھوک تو مٹا سکتی ہے روح کی تشنگی کم نہیں کر سکتی۔ زرجان کے علاوہ کیپٹن سلیم کی آرزوئوں کا قتل ہوتا ہے۔ اس کے ارمانوں اور جذبوں کی موت ہوتی ہے۔ اپنی محبوبہ منیبہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے دیکھتا ہے لیکن اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ جسمانی طور پر زندہ ہوتے ہوئے بھی روحانی اور ذہنی طور پر ختم ہو چکا ہے۔ کرکیگارڈ لکھتا ہے:

"موت کا امکان ایک ایسا امکان ہے جس کے پورے ہونے کا امکان ہر لمحہ موجود ہوتا ہے اور اس لحاظ سے موت مستقبل میں پیش آنے والا محض معمولی خارجی واقعہ نہیں بلکہ یہ فرد کی داخلیت کا لازمی جزو ہے۔"(۱۷)

یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ موت اٹل ہے اور موت سے کسی کو فرار نہیں۔ چاہے کوئی کتنا ہی صاحبِ حیثیت و صاحبِ اقتدار کیوں نہ ہو لیکن موت برحق ہے اور کوئی بھی ادب اس کے ذکر سے خالی نہیں کیونکہ جہاں زندگی ہے وہاں موت، چاہے اس تصور کو شعوری طور پر بیان کریں یا لاشعوری طور پر اس کا تذکرہ آ ہی جاتا ہے۔

محمد حمید شاہ کے ہاں بھی "مٹی آدم کھاتی ہے" جیسا ناول اسی فلسفے کو بیان کرتا ہے۔ کبھی انسان موت کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کرتا ہے تو کبھی اسے شکست دینا چاہتا ہے اور بعض جگہوں پر اس سے فرار پانا چاہتا ہے لیکن اس کے اختیار میں کچھ نہیں۔ انسان اس دنیا کی سب سے اعلیٰ و ارفع اور اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود اتنا مجبور و لاچار ہے کہ نہ اپنی مرضی سے جی سکتا ہے، نہ اپنے اختیار سے موت کو شکست دے سکتا ہے اور حمید شاہد نے خود کہا ہے کہ ابن آدم کو نہ ابھی تک چلنا آیا جب بھی چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ زمین پر گر پڑتا ہے اور بار بار گرتا ہے۔ اس سے مراد یہی ہے کہ تمام اختیار و اقدار کے باوجود مجبور و لاچار ہے اور جبراً اس سے معاملات کروائے جا رہے ہیں جہاں محمد حمید شاہد جبر کا فلسفہ بیان کرتے ہیں جس کی رو سے انسان پر جبراً زندگی کا بوجھ لاد دیا گیا ہے اور وہ اُسے اپنی مرضی کے بغیر جینے پر مجبور ہے جیسے ناول کا کردار پہلا راوی اور دوسرا راوی جو نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کرنے پر مجبور ہیں جو وہ نہیں کرنا چاہتے۔ خان جی کی بیٹی اور بیوی اپنی مرضی کے برعکس خان جی کی مرضی کے مطابق جی رہی ہیں۔ یوں لگتا ہے ناول کا ہر کردار جبراً اپنی زندگی جی رہا ہے اور وہ، وہ کچھ نہیں چاہتے جو ان کے ساتھ ہو رہا ہے اور جو وہ چاہتے ہیں وہ ان کی دسترس سے بہت دور ہے۔ پورے ناول پر جبر کی وجہ سے دکھ کی فضا چھائی ہوئی ہے۔ ناول میں کہیں بے بسی و لاچاری، تو کہیں احتجاج و بغاوت، گویا "مٹی آدم کھاتی ہے" بے چارگی، بے بسی اور مجبوریوں کے شکنجے میں جکڑے ہوئے انسان کی داستان ہے۔ جس میں محمد حمید شاہد نے نہ صرف انسانی زندگی کے المیے کو بیان کیا ہے بلکہ سیاسی و سماجی حالات کی بھی عکاسی کی ہے۔ زندگی کی جبریت کے مقابلے میں انسان کی بے بسی و لاچاری کو بھی بیان کیا ہے۔

حوالہ جات

1. محمد حمید شاہد، مٹی آدم کھاتی ہے، کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۷ء، ص:۱۷
2. شمس الرحمٰن فاروقی، دیباچہ: مٹی آدم کھاتی ہے، محمد حمید شاہد، کراچی: اکادمی ادبیات، ۲۰۰۷ء، ص:۱۵
3. ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، اردو ناول کے ہمہ گیر سروکار، لاہور: فکشن ہاوس، ۲۰۱۲، ص:۱۳۰
4. محمد حمید شاہد، مٹی آدم کھاتی ہے، ص:۷
5. غفور احمد، نئی صدی۔ نئے ناول، لاہور: دارالنوادر، ۲۰۱۴ء، ص:۲۶۱
6. In Man's composition, as we commonly attribute, element of soil cannot be ruled out. As he grows older, the soil becomes the integral part of the local he lives in" (Hameed.The Pakistan Observer. 20th March. 2007)
7. محمد حمید شاہد، مٹی آدم کھاتی ہے، ص:۱۲
8. شمس الرحمٰن فاروقی، دیباچہ: مٹی آدم کھاتی ہے، محمد حمید شاہد، ص:۱۳
9. محمد حمید شاہد، مٹی آدم کھاتی ہے، ص:۱۰۲
10. ایضاً، ص:۸۶۔۸۵
11. علی محمد فرشی، حمید شاہد مرگ زار میں، مشمولہ: آفاق، خاص نمبر، دسمبر ۲۰۰۴ء، ص:۳۸
12. Abrar: The News: 18 March, 2007
13. محمد حمید شاہد، مٹی آدم کھاتی ہے، ص:۵۸
14. عماد الحسن فاروقی، دنیا کے بڑے مذاہب، لاہور: مکتبہ تعمیرِ انسانیت، س ن، ص:۳۰۵
15. جاوید اقبال ندیم، وجودیت، وکٹری بک بنک، ۲۰۰۹ء، ص:۳۰
16. ایضاً
17. افتخار بیگ، ڈاکٹر، وجودیت، لاہور: سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۱۱ء، ص:۹۳۔۹۲

Reference

1. Muhammad Hamid Shahid. *Matti Adam Khati hai*. Karachi: Acadmy Bazyafat. 2008. p 18.
2. Farooqi, Shamasul Rehman. *Matti Adam Khati hai (Preface)*. Karachi: Acadmy Adbiyat. P 15
3. Mumtaz Ahmad Khan, Dr. *Urdu novel kay humagheer sarokar*. Lahore: Fiction House. 2010. P 13.
4. Muhammad Hamid Shahid. *Matti Adam khatti hai*. P 8.
5. Ghafoor Ahmad. *Nae sadi naey novel*. Lahore: Dar ul noor. 2012. P 201.
6. *In man's composition, as we commonly attribute, element of soil cannot be ruled out. As he grows older, the soil becomes the integral part of the local he lives in* (Hameed: The Pakistan observer. 20th March. 2007).
7. Muhammad Hamid Shahid. *Matti Adam khatti ha*. P 12.
8. Farooqi, Shamasul Rehman. *Matti Adam Khati hai (Preface)*. P 12.
9. Muhammad Hamid Shahid. *Matti Adam khatti ha*. P 102.
10. Ibid. P 57-58.
11. Farshi, Ali Muhammad. *Hamid Shahid murg zaar main*. Included: *Affaq*. *Khas No*. December 2002. P 38.
12. Abrar: *The news*. 18th March. 2007.
13. Muhammad Hamid Shahid. *Matti Adam khatti ha*. P 58.
14. Farooqi, Ammad Hasan. *Dunya key bary mazahib*. Lahore: Maktaba Tameere Insaniyat. P 308.
15. Javed Iqbal Nadeem. *Wajoodiat*. Victory Book Bank. 2009. P 30.
16. Ibid. P 30.
17. Iftikhtar Baig, Dr. *Wajoodiat*. Lahore: City Book Point. 2011. P 92-93.